رأس آیت

محسن علی*

قرآن مجید اللہ رب العزت کا پاک کلام ہے جسے اس نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ یوں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، مگر ان می سے آپ ﷺ کا سب سے عظیم الشان، ابدی اور قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے معجزہ یہی قرآن ہے۔ قرآن مجید نے اپنے بارے میں ان لوگوں کو چیلنج کیا ہے جو اس کے منزل من اللہ ہونے کے قائل نہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورة من مثله و ادعوا شهدآ ء کم من دون الله ان کنتم صدقین Oفان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس و الحجارة اعدت للکفرین﴾1

''اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ اس کو جو تمہارے مددگار ہوں، اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے۔ تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔''

لیکن آج تک کوئی بھی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔ حتیٰ کہ نزول قرآن کے وقت کے عرب بھی جن کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا اور جو فصاحت و بلاغت کے شہسوار تھے، قاصر رہے۔ اور نہ ہی کوئی آدمی یا گروہ تا قیامت اس چیلنج کا جواب دے سکتا ہے۔

قرآن مجید ایک ایسا کلام ہے جس نے شعر و نثر دونوں کی خوبیوں کو اپنے اندر سمولیا ہے۔ قرآن وزن و قافیہ کی پابندیوں سے آزاد ہے، جس سے شعر عاری ہے۔ لیکن آیاتِ قرآنیہ میں شاعری کی طرف ایک ایسی جاذبیت پائی جاتی ہے جو ہر سننے اور پڑھنے والے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ایس طرح آیاتِ قرآنی سجع کی طرز پر واقع ہوئی ہیں۔ لیکن ان میں سجع کی طرح ایک ہی طرز پر تمام کلام وارد نہیں ہوا۔ آیاتِ قرآنیہ کے رؤس جو نہ تو قافیہ بندی کے پابند ہیں اور نہ ہی سجع کے تو پھر ان کیلئے کونسی اصطلاح استعمال کی جاسکتی ہے۔ ائمہ کرام نے اس کیلئے فواصل کی اصطلاح استعمال کی جو آیاتِ قرآنیہ ہی کیلئے خاص ہے جیسا کہ عبدالکریم الخطیب لکھتے ہیں:

*ریسرچ سکالر پی ایچ ڈی، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

"کل آیة لها مقطع تنتهی به هو الفاصلة و لیست هذه الفاصلة قافیة شعر و لا حرف سجع."2

ہر آیت کا ایک مقطع ہوتا ہے جس پر وہ اختتام پذیر ہوتی ہے اس کو فاصلہ کہتے ہیں۔ یہ فاصلہ نہ تو شعر کا قافیہ ہی ہے اور نہ سجع کا کوئی حروف بلکہ یہ آیاتِ قرآنیہ کے مقطع کی اصطلاح کا نام ہے۔

فواصل کے علاوہ سجع یا قافیہ کی اصطلاحات آیاتِ قرآنیہ کے رؤوس کے لیے استعمال کی جاسکتی ہیں یا نہیں۔ ائمہ کرام کے مابین اس میں اختلاف ہے، جمہور اس کے قائل نہیں۔ ذیل میں اولاً آیاتِ قرآنیہ کیلئے قافیہ اور پھر سجع کے استعمال سے متعلق ائمہ کرام کی آراء ذکر کی جاتی ہیں۔

رأس آیت کیلئے قافیہ کا استعمال:

شعر کے آخری کلمہ کو قافیہ کہتے ہیں۔ قافیہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے مرتضٰی زبیدی لکھتے ہیں:

"القافیة: آخر کلمة من البیت، و انما قیل لها قافیة لا نها تقفوا ا لکلام."3

قافیہ بیت کے آخری کلمہ کو کہتے ہیں، قافیہ کو قافیہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کلام کے آخر میں واقع ہوتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کے لیے قافیہ کی اصطلاح کا استعمال جائز ہے یا نہیں اس سے متعلق علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ کے بارے میں قافیہ کی اصطلاح کا استعمال ممنوع ہے۔ کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس (کلام) کو شعر سے مبراء قرار دیا ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کے لیے قافیہ کی اصطلاح بھی استعمال نہ کی جائے کیونکہ ی اصطلاح شعر کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح آیاتِ قرآنیہ کیلئے قافیہ کا استعمال ممنوع ہے اسی طرح شعر کیلئے فاصلہ کی اصطلاح استعمال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ آیاتِ قرآنیہ کیلئے خاص ہے۔ نیز یہ کہ جو باتیں شعر میں عیب شمار کی جاتی ہیں ان کا استعمال بھی قرآن میں ہوا ہے اور ان کو کچھ عیب شمار نہیں کیا گیا مثلاً ایطاء اور تضمین جو کہ قرآن میں واقوع ہوئے ہیں جبکہ شعر میں ان کو عیب تصور کیا جاتا ہے۔4

علامہ جلال الدین السیوطی کا کہنا ہے کہ آیات کا نام قوافی رکھنا اجماعاً ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت قرآن کو شعر کے نام سے الگ رکھا ہے تو ایسی حالت میں ضروری ہوگیا کہ قافیہ کے نام سے بھی اس کو موسوم نہ کیا جائے کیونکہ قافیہ شعر میں ہوتا ہے اور اصطلاح میں اسی کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح قرآن کے بارے میں قافیہ کا استعمال ممتنع ہوتا ہے ویسے ہی شعر کے باب میں فاصلہ کو استعمال کرنا بھی ممنوع ہے۔ اس واسطے کہ وہ (فاصلہ) کتاب اللہ کی صفت ہے اور ہرگز اس سے متعدی (تجاوز) کرنے والا نہیں ہوسکتا۔5 .

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ آیاتِ قرآنیہ کیلئے قافیہ کے استعمال کی ممانعت کے قائل ہیں جس کی دلیل ان کے اس ارشاد کے مفہوم میں ملتی ہے کہ قصیدہ اور سورتوں کی موزونی تقسیم میں قاری و سامع کے لیے لطف اندوزی و نشاطِ طبع کے اسباب کی فراہمی کے اعتبار سے بہت فرق ہے کیونکہ قصائد کا معیار فن عروض کے اصول ہیں جو

مخصوص بحور وقوافی کے پابند ہوتے ہیں۔ جو متعین ہیں جبکہ فواصل آیات کا معیار اجمالی اوزان وقوافی ہیں یعنی ایسے اوزان وقوافی جو فطری ذوق اور انسانی طبائع سے ہم آہنگ اور قریب تر ہوں اور نشاطِ طبع کا ذریعہ بنیں اور کلام کا عروض کے فنی قوانین کی پابندی نہ کرنا اور اس کے باوجود اس میں معیاری کلام کی جملہ خوبیاں بدرجہ اَتم موجود ہونا اس کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ ترین مرتبہ ومقام پر فائز ہونا ہے جو کہ صرف اور صرف قرآن کریم ہی کا اعجاز ہے۔6

مولانا اشرف علی تھانویؒ قافیہ کی اصطلاح کے آیات قرآنیہ کے استعمال سے متعلق فرماتے ہیں کہ محض قافیہ کی وجہ سے مضمون بیان کرنا فضول ہیا ور اس صورت میں مضامین بھی فضول ہی آتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باوجود قدرت بالغہ کے قرآن میں قافیہ کا التزام نہیں کیا۔ کہیں قافیہ ہے تو دور تک چلا گیا ہے اور کہیں چھوڑ دیا ہے تو دور تک قافیہ نہیں ہے۔ تو کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ نے قافیوں کو اس لیے چھوڑ دیا ہو کہ بندوں کو تعلیم کرنا مقصود ہو کہ کلام میں قافیہ بندی نہ کیا کرو۔ اگر اللہ رب العزت تمام قرآن کو مقفاً نازل کرتے تو اس کی بلاغت وفصاحت میں ہرگز کمی نہ آتی اور کسی جگہ بھی تکلف کا نام نہ آتا۔ جس کی دلیل وہ سورتیں ہیں جن میں اول سے آخر تک قافیہ کی رعایت ہے کہ ان میں کسی جگہ بھی کوئی قافیہ تکلف سے نہیں لایا گیا نہ کسی کو ان کی فصاحت وبلاغت پر حرف گیری کی مجال ہے۔7

شیخ عبدالرحمٰن تاج لکھتے ہیں:

''قرآن کریم شعر نہیں ہے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ اس کے کسی جزو کو شعر سے تعبیر کیا جائے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن نہ تو شعر ہے اور نہ ہی اس میں شعر کے وزن پر کوئی بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن کی بیشتر سورتیں ایسی آیات پر مشتمل ہیں جن میں مکمل طور پر یا ان کے بیشتر حصہ میں فواصل کی مناسبت پائی جاتی ہے۔''8

آیاتِ قرآنیہ کیلئے قافیہ کے استعمال کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا آیاتِ قرآنیہ کے شعر سے مبرا ہونے اور آپ ﷺ کے شاعر نہ ہونے کا فرمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿و ما علمنٰه الشعر و ما ینبغی له، ان هو الا ذکر و قرآن مبین﴾9

اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں، یہ تو خالص نصیحت ہے قرآن ہے صاف۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے متعلق فرما دیا کہ ہم نے آپ ﷺ کو شعر کہنا نہیں سکھایا حالانکہ آپ ﷺ جس دور میں مبعوث ہوئے اس وقت کے غلام اور لونڈیاں بھی شعر وشاعری کیا کرتے

تھے۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے آپ ﷺ کو محفوظ فرمایا اور قرآن سے متعلق فرمایا کہ یہ کوئی شاعری کی کتاب نہیں بلکہ یہ تو نصیحت کی کتاب ہے۔یعنی اس آیت میں آپ ﷺ کے شاعر ہونے اور قرآن مجید کے شاعری کی کتاب ہونے کی نفی کی گئی ہے۔کیونکہ شاعری کا حسن وکمال، کذبو مبالغہ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں۔شعر میں اگر کوئی جز محمود ہوسکتا ہے تو وہ اس کی تاثیر اور دلنشینی ہوسکتی ہے۔سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ پر پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر بھی اپنے کلاموں میں پیدانہ کرسکتے۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ کے شاعر نہ ہونے سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فلا اقسم بما تبصرون ٥و ما لا تبصرون ٥انه لقول رسول كريم٥و ما هو بقول شاعر ط قليلا ما تؤمنون﴾

سوقسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے۔یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا،نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا،تم تھوڑا یقین کرتے ہو۔

یعنی یہ کلام اللہ رب العزت کا کلام ہے۔یہ کوئی شاعری کی کتاب نہیں۔اگر یہ کسی شاعر کا کلام ہوتا یا شعر کی طرز پر ہوتا تو اس میں وزن و بحر جو شعر کیلئے لازم وملزوم ہیں کا ہونا ضروری تھا جبکہ قرآن میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔اسی طرح شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض وہمی اور خیالی ہوتے ہیں جن کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا۔جب کہ قرآن مجید میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔11

اس میں شاعروں کے سے تخیلات نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا دعویٰ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔شاعر جو بات شاعری میں کرتے ہیں اس کا عموماً حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ایک شاعر اگر کسی کی تعریف کے پل باندھنے لگ گیا تو اس کے بہادر ہونے کو شیر سے بھی زیادہ بہادر ثابت کیا، چاہے حقیقت میں وہ انتہائی بزدل ہو۔اگر کسی کی مذمت کرنے لگیں تو اس کو اتنا گھٹیا ثابت کردیں کہ زمانے میں اس سے گھٹیا آدمی اور ہے ہی نہیں چاہے حقیقت میں وہ سب سے برتر ہو۔شاعر کی حقیقت سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿و الشعرآء يتبعهم الغاون ٥الم ترانهم فى كل واديهيمون٥و انهم يقولون ما لا يفعلون﴾11

اور شاعروں کی بات پر وہی چلیں جو بے راہ ہیں۔تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔

جب ایک شاعر اور اس کی شاعری کی یہ حقیقت ہے تو اس کی ایسی اصطلاح قرآن مجید کیلئے استعمال کرنا کیسے ممکن ہے کہ جس سے بڑھ کر سچا کلام کوئی نہیں اور جس ہستی پر یہ کلام نازل ہوا اس ہستی سے بڑھ کر صادق کوئی

نہیں جس کو اس کے دشمنوں نے بھی صادق وامین کا لقب دیا۔ جب ایک طرف ایک کلام کی یہ حقیقت کہ اسے سچا اور جس پر یہ نازل ہوا اس ذات سے بڑھ کر سچا اس دنیا میں کوئی نہیں جبکہ دوسری طرف دوسرے کلام کی یہ حقیقت ہے کہ جس میں جھوٹ کی اتنی مبالغہ آرائی ہے کہ بیان کرنا ممکن نہیں تو ایسے میں قرآن مجید کے لیے قافیہ جو کہ شعر کی خاص اصطلاح ہے مستعار لینا کیونکر ممکن ہے اور اسی طرح آیاتِ قرآنیہ کی خاص اصطلاح فاصلہ کو شعر کے اواخر کے لیے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ کیونکہ شعر قرآنی آیات کے برابر تو کیا اس کے کسی بھی پایہ کے نہیں، نیز یہ کہ قافیہ میں جو باتیں عیب شمار کی جاتی ہیں وہ فاصلہ میں کچھ عیب شمار نہیں ہوتیں۔

رأس آیت کیلئے سجع کا استعمال:

جس طرح بیت کے اواخر کیلئے قافیہ اور آیات کے اواخر کیلئے فاصلہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اسی طرح نثر پارے کیلئے سجع کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

ابن منظور افریقی سجع کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سجع یسجع سجعاً الکلام المقفی والجمع اسجاع و اساجیع و سجع الحمام یسجع سجعاً هدل علی جهة واحدة. سجع الحمامة : موالاة صوتها علی طریق واحد.12

سجع یسجع سجعاً مقفیٰ کلام کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اسجاع اور اساجیع آتی ہے۔ سجع کا لفظ جب حمام (کبوتر) کے ساتھ آئے تو س کے معنی ایک ہی طرح کی آواز نکالنا کے ہوں گے۔ جیسے کہا جاتا ہے: سجع الحمامۃ: یعنی کبوتر کا گھٹکی (مسلسل ایک ہی طرز کی آواز) باندھنا۔

مرتضیٰ الزبیدی فرماتے ہیں:

السجع الکلام المقفیٰ ، او هو موالاة الکلام علی رويٍ واحدٍ، و السجع فی کلام العرب: ان یأ تلف أواخر الکلم علی نسقٍ، کما تأتلف القوافی اسجاع. والسجع الحمامه : موالاة صوتها علی طریقٍ واحد.13

مقفیٰ کلام یا کلام کے ایک ہی طرز پر واقع ہونے کو سجع کہتے ہیں۔ کلام عرب میں سجع کے معنی: آکری کلمہ کو ایک ہی طرز پر لانا کے ہیں جیسے قوافی اور اس کی جمع اسجاع آتی ہے۔ سجع الحمامہ کے معنی کبوتر کا گھٹکی باندھنا کے ہیں۔

ابن درید سجع کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو موالاة الکلام علی روی واحد و سجعت الحمامة معناها رددت صوتها.14

سجع کے معنی ایک ہی طرز پر کلام کو لانا کے ہیں اور جب سجعت الحمامۃ کہا جائے تو اس کا معنی کبوتر کا ایک ہی طرح کی آواز نکالنا۔ جس کو گھٹکی باندھنا بھی کہا جاتا ہے۔

سجع کسے کہتے ہیں اس سے متعلق دکتور محمد قدوری رقمطراز ہیں:

فالسجع هو توافق الحروف الأخيرة فى مواضع الوقف فى النثر.15

نثر میں وقف کے مقام پر آخری حرف کے یکساں ہونے کا نام سجع ہے۔

حسب غالب اور ادیب سعی سجع سے متعلق لکھتے ہیں:

السجع هو توافق الفاصلتين فى الحرف الأخير."16

آخری حرف میں دو فاصلوں کی باہمی یکسانیت کو سجع کہتے ہیں۔ علامہ سکا کی بیان فرماتے ہیں:

السجع فى النثر كالقافية فى الشعر.17

نثر میں سجع شعر میں قافیہ کی مانند ہے۔

یعنی جس طرح بیت کے لیے قافیہ استعمال کیا جاتا ہے انہی معنوں میں نثر میں سجع کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کیلئے سجع کی اصطلاح کے استعمال سے متعلق علماء میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ اس میں نہیں کہ کیا قرآن مسجع ہے کیونہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں البتہ اختلاف قرآن میں سجع کے وارد ہونے سے متعلق ہے کہ کیا آیاتِ قرآنیہ کے لیے سجع کا استعمال جائز ہے یا نہیں اس سے متعلق ائمہ کرام کے مابین دو آراء پائی جاتی ہیں۔

(۱) جو سجع کے قائل ہیں۔

(۲) جو سجع کے قائل نہیں۔ یہ جمہور ائمہ کا مؤقف ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کیلئے سجع کا استعمال ہرگز روا نہیں جیسا کہ قاضی ابوبکر باقلانی کا کہنا ہے کہ ہمارے تمام اصحاب قرآن میں نفی سجع کے قائل ہیں۔18

ذیل میں دونوں گروہوں کا الگ الگ مؤقف بیان کیا جاتا ہے۔

قائلین سجع کے دلائل:

قائلین سجع سجع کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) سجع مذموم (۲) سجع محبوب

عائشہ عبدالرحمٰن بنت شاطی قائلین سجع سے متعلق بیان فرماتی ہیں کہ ان کے نزدیک سجع دو طرز کا ہوتا ہے:

(۱) التماثل التقارب: جو خوش اسلوبی سے اور معنی کے تابع واقع ہو۔

(۲) اس کے برعکس جس میں تکلف پایا جائے اور معنی اس کے تابع واقع ہو۔

ان میں سے قسم اول محمود ہے جو فصاحت پر دلالت کرتی ہے جبکہ قسم ثانی کا سجع مذموم ہے۔ قرآن مجید میں جو سجع

وارد ہوا ہے اس کا تعلق قسم اول یعنی سجع محمود سے ہے۔ یہ فواصل متماثلہ میں وارد ہوا ہے۔ اس لیے فواصل متماثلہ کو سجع کے نام سے موسوم کرنا جائز ہے۔ 19

(ا) سجع مذموم:

اگر کلام میں سجع مقصود بالذات ہو، پیچیدہ اور تکلیف سے پر ہو، اس میں معنی سے زیادہ الفاظ پر توجہ دی جائے تو بلاشبہ ایسا مسجع کلام مذموم اور ناپسندیدہ ہوگا اور یہ ممکن نہیں کہ خداوند علیم وحکیم کے کلام میں ایسا نقص پایا جائے۔ چنانچہ کتاب عزیز کے باب میں اسی کسی چیز کا روا رکھنا ہرگز درست نہیں۔

ابو بلال عسکری سجع مذموم سے متعلق لکھتےہیں:

قد بان عن جميع اقسامهم الجارية هذا المجرى، من مثل قول الكاهن: و السماء والارض، و القرض و الفرض، و الغمر و البرض. و مثل هذا من السجع مذموم لما فيه من التكلف و التعسف. 20

سجع کی یہ تمام اقسام جو کہ کاہنوں کے کلاموں میں پائی جاتی ہیں، جیسے کسی کاہن کا قول ہے: والسماء و الارض، و القرض والفرض، و الغمر والبرض. ایسا ہر سجع جس میں تکلف اور تعف پایا جائے وہ مذموم ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن تاج ایسے سجع سے متعلق لکھتے ہیں:

جہاں تک کاہنوں کے مسجعکلام کا تعلق ہے تو وہ سجع مذموم ہے۔ اس لیے کہ یہ تمام تر دھوکہ، فریب اور جھوٹ پر مشتمل ہوتا ہے اور غیب کے بارے میں جھوٹ موٹ کی خبریں دیتا ہے۔ ایسے مسجع کلام کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت فرمائی اور ان لوگوں پر سخت نکتہ چینی فرمائی ہے جو اسسے تشبہ اختیار کرتے ہیں۔ 21

ایسے سجع کی مذمت کے بارے میں حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال اقتلت امراتان من هذيل فرمت احداهما الاخرى ب حجر فقتلتها و ما فی بطنها فاختصموا لی رسول الله ﷺ فقضى رسول الله ﷺ ان دية جنينها غرة عبدا و وليدة وقضىٰ بدية المرأة على عاقلتها و ورثها ووالدها و من معهم، فقال حمل ابن النابغة الهذلی يا رسول الله ﷺ كيف اغرم من لا شرب و لا اكل ولا نطق ولا استهل فمثل ذلك يطل فقال رسول الله ﷺ انما هذا من اخوان الكهان من اجل سجعه الذی سجع." 22

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں ھذیل (ایک قبیلہ کا نام) کی لڑیں، ایک نے دوسری کو پتھر سے مارا۔ وہ مرگئی اور اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا وہ بھی مرگیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے بچے کی دیت میں ایک غلام ہے یا ایک لونڈی اور عورت کی دیت مارنے والی کے کنبے والے دیں۔ اس عورت کا وارث اس کا لڑکا ہوگا اور جو وارث اس کے ساتھ ہوں۔ حمل بن نابغہ نے کہا یا رسول اللہ ہم کیونکر تاوان

دیں اس کا، جس نے نہ پیا، نہ کھایا، نہ بولا، نہ چلایا تو گیا آیا (یعنی لغو ہے) جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کاہنوں کا بھائی ہے۔ ایسی قافیہ دار عبارت بولنے کی وجہ سے۔''

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کے الفاظ" سجع کسجع الکھان .23" بھی آتے ہیں۔

(۲) سجع محمود:

قائلین سجع قرآن کیلئے سجع محمود کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور اس کے جواز کے وہ مندرجہ ذیل دلائل بیان کرتے ہیں۔

(۱) اگر سجع مذموم ہوتا تو قرآن میں اس کا ورود اس کثرت سے نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ بعض سورتیں پوری کی پوری مسجع واقع ہوئی ہیں جیسے سورت الرحمٰن اور قمر وغیرہ۔ اس کے علاوہ بہت سی سورتوں کے ایسے جملے بھی مسجع وارد ہوئے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ان اللّٰہ لعن الکافرین و اعدلھم سعیراo خالدین ابداً ج لا یحدون ولیا و لا نصیراً﴾ 24

بے شک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور دے رکھی ہے ان کے واسطے دہکتی ہوئی آگ۔ رہا کریں اسی میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

﴿طه oما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰo الا تذکرة لمن یخشیٰo تنزیلا ممن خلق الارض و السمٰوٰت العلیٰ و ان تجھر بالقول فانه یعلم السرو اخفیo اللّٰہ لا اله الا ھو ط له الا سمآء الحسنیٰ﴾ 25

طہ۔ اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے، مگر نصیحت کے واسطے اس کی جو ڈرتا ہے۔ اتارا ہوا ہے اس کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے۔ وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے۔ اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو تو خبر ہے چھپی ہوئی بات کی اور اس سے بھی چھپی ہوئی کی۔ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، اُسی کے ہیں سب نام اچھے۔

﴿بل کذبوا بالحق لما جآء ھم فیھم فی امرمریجo افلم ینظر و الی السمآء فقھم کیف بنیناھا و زیناھا و مالھا من فروجo وا لارض مددناھا و القینافیھا رواسی و انبتنا فیھا من کل زوج بھیج﴾ 26

کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا سو وہ پڑ رہے ہیں الجھی ہوئی بات میں۔ کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اُس کو بنایا اور رونق دی اور اس میں نہیں کوئی سوراخ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ اور اگائی اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز۔

(۲) حدیث میں آپ ﷺ کی سجع سے ممانعت مطلقاً نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے صرف اس سجع کی مذمت کی

ہے جو کاہنوں اور اہل جاہلیت کے انداز اور طریقے پر ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے کلام میں بعض جگہ نہایت لطیف اور دلآویز سجع کا استعمال فرمایا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”یا ایھا الناس أفشوا السلام o و اطعموا ا لطعام o و صدوا ا الارحام o و صلوا باللیل و الناس ینام oتدخلو ا الجنة بسلام.“(۲۷)

(۳) جہاں تک تعلق آپ ﷺ سے منقول سجع کی ممانعت سے متعلق حدیث کا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ مطلقاً سجع کی ممانعت کرتے تو فرماتے ”اسجعا؟“ پھر خاموش ہوجاتے۔ اس طرح معنی کی دلالت اس فعل سے انکار کی ہوجاتی جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسجع کسجع الکھان “ تو معنی اس امر پر معلق ہوگئے کہ اس قول سے مراد کاہنوں کے سے فعل کا انکار ہے نہ کہ اصل (یعنی سجع) کا۔ اس قول سے مطلقاً سجع کی ممانعت / مذمت وارد نہیں ہوتی۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ نے فی نفسہ سجع کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ اس میں آپ ﷺ نے صرف اس سجع کی مذمت کی ہے جو کاہنوں اور اہلِ جاہلیت کی طرز پر ہو۔ (۲۸)

(۴) ابن سنان خفاجی فرماتے ہیں کہ رمانی کا یہ قول کہ ”سجع عیب ہے اور فواصل بلاغت میں داخل ہیں۔“ غلط ہے۔ کیونکہ اگر اس نے سجع سے وہ عبارت مراد لی ہے جو کہ معنی کے تابع ہو اور تکلف کے ساتھ اس سے تک بندی ہی مقصود نہ ہو۔ (یعنی آمد ہو) تو اس میں شک نہیں کہ ایسا کلام بلاغت میں داخل ہے اور فواصل اسی طرح کے ہیں۔ لیکن اگر اس نے اپنے اس قول سے ایسے کلام کو مراد لیا ہے کہ معانی اس کے تابع واقع ہوتے ہیں اور وہ مقصود بالتکلف (یعنی آورد) ہوتا ہے تو یہ بات عیب ہے۔ (۲۹)

(۵) علامہ خفاجی اور ابن اثیر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ جب سجع تمہارے نزدیک ایک پسندیدہ امر ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ تمام قرآن مسجوع نہیں وارد ہوا۔ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ مسجوع آیا اور کچھ غیر مسجوع؟ تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ قرآن کا نزول عرب کی زبان میں ہوا ہے اور ان کے عرف و عادت کے مطابق اترا ہے۔ فصحائے عرب کا یہ دستور تھا کہ ان کا تمام کلام مسجع نہیں ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ سجع میں آورد کی علامتیں پائی جاتی ہیں اور وہ مکروہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ خاص کر طویل کلام میں سجع کی حد سے زیادہ پابندی ناگوار ہوتی ہے چنانچہ اسی وجہ سے کلامِ الٰہی بھی از ابتداء تا انتہا مسجع نہیں وارد ہوا تا کہ اہلِ عرب کے دستور اور رواج کی رعایت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی لطافت میں فرق نہ آئے مگر اس کے ساتھ وہ بالکل سجع سے خالی بھی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ بعض جگہ کلام کے اندر سجع کا لانا مذکورہ بلاصفت کے اعتبار سے مستحسن بھی ہے۔ (۳۰)

(۶) کسی کلام کا متناسب فواصل کے ساتھ ہونا جس پر کہ کلمہ سجع دلالت کرتا ہے بذات خود معیوب نہیں ہے

کیونکہ قرآن میں فواصل کا تناسب ایک امر واقعہ ہے اور بہت کثرت سے بیشتر مقامات پر استعمال ہوا ہے۔(۳۱)

(۷) سجع میں اصل کلام کے مقاطع کا معتدل ہونا ہے جبکہ اعتدال تمام معاملات/ اشیاء میں مطلوب ہے اور اس کی طرف نفس بالطبع مائل ہوتا ہے۔(۳۲)

(۸) سجع مذموم وہ ہے جس میں تکلف اور بناوٹ ہو اور جس سجع میں الفاظ معنی کے تابع واقع ہوں وہ مذموم نہیں بلکہ احسن ہے۔(۳۳)

(۹) قرآن کا سجع ان امور میں سے ہے جو کلام کی فضیلت بتاتے ہیں۔(۳۴)

(۱۰) سجع منجملہ ان اجناس کے ہے جن کے ذریعے سے بیان اور فصاحت میں تفاضل (برتری) واقع ہوتا ہے۔مثلاً جناس اور التفات وغیرہ۔(۳۵)

(۱۱) اس کا قوی ترین ثبوت جس کی بناء پر قائلین سجع نے استدلال کیا ہے وہ ﴿هارون و موسیٰ﴾ (۳۶) کے اندر سجع قرار پانے کے باعث ﴿موسیٰ﴾ کا ﴿هارون﴾ کی بہ نسبت فاصلہ واقع ہونا۔حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام سے افضل ہیں۔جیسا کہ دوسری جگہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔فرمایا: ﴿موسیٰ و هارون﴾ اس میں موسیٰ علیہ السلام کا پہلے تذکرہ ہوا ہے اور ہارون علیہ السلام کا بعد میں۔(۳۷)

(۱۲) یہ بات شعر کے معاملے میں اس لیے جداگانہ اور ممتاز ہے کہ شعر میں بہ حالت خطاب قافیہ مقصود ہوتا ہے اور اگر وہ غیر مقصود الیہ واقع ہوگا تو اس مرتبہ سے گھٹ جائے گا۔جس مرتبہ کو ہم شعر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔پھر اس مرتبہ کا وجود جس طرح اظہار عظمت کرنے والے سے اتفاقاً سرزد ہوتا ہے اسی طرح شاعر سے بھی ہوتا ہے۔(۳۸)

(۱۳) جہاں تک قرآن میں سجع کی مقدار کا تعلق ہے تو وہ بہت زیادہ ہے۔علامہ باقلانی فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں انہوں نے (یعنی قائلین سجع) نے بات یوں بنائی ہے کہ سجع کے معنی کی تحدید کردی ہے۔(۳۹)

(۱۴) علامہ جلال الدین سیوطی ابن النفیس کا قول نقل کرتے ہیں کہ سجع کی خوبی کے ثبوت کیلئے قرآن کا مسجع وارد ہونا ہی کافی ہے۔اور اس موقع پر یہ اعتراض درست نہیں کہ قرآن کی بعض آیتیں سجع سے خالی بھی ہیں اس لیے کہ خوبی بیان کبھی ایک مقام سے اس سے بہتر مقام کی طرف منتقل ہونے کی بھی مقتضی ہوجاتی ہے۔(۴۰)

(۱۵) وہ آیات اور سورتیں جن میں فواصل کی مناسبت ہے وہ بعینہ اپنے معنی اور حقیقت کے اعتبار سے سجع ہیں اور اس میں کوئی عیب نہیں۔(۴۱)

(۱۶) یہ کوئی ضروری نہیں کہ مکمل خطبہ یا پورے کا پورا رسالہ ایک ہی فاصلہ پر ہو، بلکہ خطیب یا انشاء پرداز چند

فقرات کو ایک معین فاصلہ پر استعمال کرنے کے بعد دوسرے فاصلہ کی طرف منتقل ہوجاتا تھا جو فقرات کے ایک اور مجموعہ پر مشتمل ہوتا تھا، پھر کبھی دوسرے فاصلہ سے تیسرے اور چوتھے فاصلہ کی طرف منتقل ہوجاتا تھا جو فقرات کے ایک اور مجموعہ پر مشتمل ہوتا تھا اور ایسے ہی دوسرے فواصل کی طرف جیسا کہ مقام و محل کا تقاضا ہوتا۔ (۴۲)

(۱۷) دوسرے مجموعہ میں یا اس کے بعد والے مجموعہ میں لازم نہیں تھا کہ فقرات کی تعداد پہلے مجموعہ کے فقرات کی تعداد کے برابر ہو، چنانچہ کبھی تو اس سے تعداد میں زائد ہوتے اور کبھی اس سے کم۔ (۴۳)

(۱۸) فقرات کے ہر مجموعہ کے فواصل عام طور پر ایک دوسرے سے متقارب ہوتے جبکہ وہ چھوٹے چھوٹے فقرات استعمال کرنا چاہتے، البتہ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہر فقرے کے کلمات یا حروف ایک معین تعداد میں برابر ہوں، بلکہ یہ کافی تھا کہ تعداد کے اعتبار سے ان فقروں میں واضح فرق نہ ہو۔ (۴۴)

(۱۹) اگر کلام میں سجع مقصود بالذات ہو، پیچیدہ اور تکلف سے پر ہو، اس میں معنی سے زیادہ الفاظ پر توجہ دی جائے تو بلاشبہ ایسا مسجع کلام مذموم اور ناپسندیدہ ہوگا اور یہ ممکن نہیں کہ خداوند علیم و حکیم کے کلام میں ایسا نقص پایا جائے۔ چنانچہ کتاب عزیز کے باب میں ایسی کسی چیز کا روا رکھنا ہرگز درست نہیں۔ البتہ اگر سجع سہل اور لطیف ہو نیز اس میں کلام کے معنی و مفہوم، اس کے روابط اور بلاغت کے مقتضیات کی پوری رعایت کی گئی ہو تو یقیناً ایسا مسجع کلام بہت ہی دلآویز اور دلکش ہوگا اور اس کے حسن و جمال اور لطافت کو بحث و جدال کا موضوع بنانا کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا اور قرآن میں جو سجع ہے وہ تو یہی ہے۔ چنانچہ قرآن کا سجع اور فواصل کی ہم آہنگی تکلیف اور پیچیدگی سے یکسر پاک ہے۔ پھر قرآن میں سجع مقصود بالذات نہیں ہے جس کے لیے معنی اور مفہوم سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں سجع کی رعایت میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے جس کا معنی بعید الاحتمال ہو اور س کی ادائیگی کے لیے کوئی دوسرا لفظ زیادہ مناسب اور صحیح ہوتا، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن میں سجع کی رعایت میں ایسے بے معنی اور مہمل الفاظ کا استعمال کیا گیا ہو جن کی معنی مراد پر دلالت غیر واضح اور مبہم ہو اس صورتحال میں قرآن کریم میں سجع کے وجود کو بھلا کون جھٹلا سکتا ہے۔ (۴۵)

(۲۰) حازم (۴۶) کا قول ہے کہ بعض لوگ ایسی متناسبۃ الاطراف مقداروں میں کلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا پسند نہیں کرتے ہیں جو کہ طول اور قصر میں ایک دوسرے کے قریب قریب نہ ہوں اور اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تکلیف کرنا پڑتا ہے مگر یہ امر اس صورت میں ناپسندیدہ نہیں جب کہ یہ کسی نادر (قلیل الاستعمال) کلام میں بلا تکلف وارد ہوجائے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ جو تناسب کلام کو قافیہ بندی کے

قالب میں ڈھالے اور اسے مناسب مقاطع کے زیور سے آراستہ کرنے کیلئے واقع ہوتا ہے وہ بڑا مؤکد اور مستحکم ہے مگر وہ علماء جو اعتدال پسند ہیں ان کی رائے میں اگرچہ سجع سے کلام کی زینت ہوتی ہے لیکن کبھی وہ تکلف اور بناوت کا داعی بھی ہوجاتا ہے اس واسطے مناسب یہ ہے کہ سجع کو نہ تو پورے کلام میں استعمال کرنا چاہیے اور نہ کلام کو اس سے بالکل خالی رکھنا چاہیے۔ بلکہ جو بات خود بخود اور بلا تکلف آمد سخن میں مسجع نکل آئے اسے قبل کرنا سزاوار ہے اور سجع کو مطلقاً عیب قرار دینا صحیح نہیں جبکہ قرآن کا نزول کلام عرب کے فصیح اسالیب پر ہوا ہے اور اس میں فواصل کا ورود اہل عرب کے سجع کلام کے مقابلے میں وارد ہوا ہے۔ اور قرآن صرف ایک ہی اسلوب پر اس واسطے نہیں نازل ہوا کہ تمام کلام کا ایک ہی ڈھنگ پر قائم رہنا اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں تکلف کیا جاتا ہے اور طبعیت اس بات سے منقبض ہوتی ہے اور اس وجہ سے بھی تمام کلام ایک ہی طریقہ پر نازل نہیں ہوا کہ ایک ہی انداز پر آنے سے اقسام فصاحت میں تنوع باقی نہیں رہتا جو ایک اعلیٰ درجہ کی بات ہے اور اسی سبب سے قرآن کی کچھ آیتیں متماثلۃ المقاطع نازل ہوئیں اور کچھ غیر متماثل اتریں۔ (۲۷)

منکرین سجع کے دلائل:

قائلین سجع کے دلائل کے بعد اب جمہور ائمہ جو قرآنی آیات کے لیے سجع کے استعمال کو ممنوع قرار دیتے ہیں ان کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ رمانی فرماتے ہیں کہ فواصل بلاغت میں داخل ہیں جبکہ سجع کو (بلاغت) میں عیب شمار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ کہ فواصل معانی کے تابع ہوتے ہیں جبکہ سجع میں معانی اس (سجع) کے تابع ہوتے ہیں اور فواصل کو ایسی چیز کی طرف منتقل کرنا ہے جو حکمت کو معنی کی دلالت کے اعتبار سے لازم قرار دیتی ہے جبکہ وہ حکمت ایسی ہو جس کی شدید ضرورت ہونے کی وجہ سے معانی کی وضاحت لازم ہو۔ جب یہ بات مشاکلت میں پائی جائے تو ایسی مشاکلت کو بلاغت میں شمار کیا جائے گا اور اور جب مشاکلت اس کے برعکس ہوگی تو اس کو عیب شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں لازماً تکلف ہوتا ہے جو کہ حکمت کے منافی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی تاج سجایا اور پھر اس کو ایک کمتر درجے کے حبشی کو پہنا دیا، یا اس کی مثال اس ہار کی سی ہے جس کو بنانے کے بعد کسی کتے کو پہنا دیا جائے۔ جس طرح یہ بات (حبشی کو تاج پہنانا یا کتے کو ہار پہنانا) معیوب ہے اسی طرح سجع کا قبیح اور معیوب ہونا ہر اس آدمی کے لیے واضح ہے جو تھوڑی سی بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر بعض کاہنوں سے یہ منقول ہے:

والارض و السماء، و الغراب الواقعة بنقعاء، لقد نفر المسجد الی العشراء.

اسی طرح کی ایک اور سجع کی مثال جو مسلیمہ کذاب سے مروی ہے:

یا ضفدع نقی کم تنقین، لا الماء تکدرین و لا النهر تفارقین.

مندرجہ بالا دونوں مثالوں کا کلام جتنا فاسد ہے اتنا ہی بیہودہ بھی ہے۔ جیسا کہ اس کی علت اوپر واضح ہوگئی ہے۔ اس (سجع) کی وجہ سے معنی میں تکلف پایا جاتا ہے اس بات نے معنی کو اس (سجع) کے تابع کر دیا ہے۔ جبکہ فواصل قرآنیہ تمام بلاغت اور حکمت سے لبریز ہیں کیونکہ یہ ایسے طرز پر واقع ہوئے ہیں جو معنی کی تفہیم کے لیے لازم ہے۔

کلام میں سجع کی اصطلاح ''سجع الحمامة'' سے ماخوذ ہے، اس میں سوائے آواز کی مشاکلت کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جیسے ''سجع الحمامة'' میں آواز کی مشاکلت کے سوا کچھ نہیں ہوتا تو جب کسی معنی میں ایسا تکلف پایا جائے جس کی نہ تو کوئی ضرورت ہو اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہو تو اس کو فواصل میں شمار نہیں کیا جائے گا یہ تکلف معنی بمنزلت مشاکلت آواز ہی کے ہے، جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ (۴۸)

(۲) سجع کی اصل چڑیوں کا نغمہ (سجع الطیر) ہے۔

(۳) قرآن کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کے جز کے واسطے مہمل اصل کا لفظ مستعار لیا جائے۔

(۴) قرآن کو دوسرے حادث کلام کی شرکت سے بالاتر رکھنے کے لیے اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا۔

(۵) قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ لہٰذا اس کا وصف ایسی صفت کے ساتھ جائز نہیں ہوسکتا جس کے ساتھ اسے موصوف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (۴۹)

(۶) قاضی باقلانی کا کہنا ہے کہ قرآن میں اگر فی الواقع سجع ہوتا تو پھر وہ اہلِ عرب کے اسالیب کلام سے خارج نہ ہوتا اور اگر قرآن اہل عرب کے اسالیب کلام میں داخل مانا جائے تو پھر اس میں اعجاز نہیں ثابت ہوتا اور اگر کلام اللہ کو سجع معجز کہنا جائز ہو تو اس کا شعر معجز کہنا بھی روا ہوسکتا ہے۔ اس واسطے کہ سجع ملک عرب کے کاہن لوگوں کی عادت مالوفہ تھی۔ پس قرآن سے سجع کی نفی اس بات کی زیادہ سزاوار ہے کہ وہ نفی شعر کی بھی حجت بن جائے کیونکہ کہانت نبوت کے منافی ہے اور شعر کی حالت اس کے خلاف ہے، یعنی وہ منافی نبوت نہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسجع کسجع الکهان'' اور اس قول میں آپ ﷺ نے سجع کو مذموم قرار دیا ہے۔

(۷) لوگوں کا قرآن کی نسبت سجع ہونے کا وہم کرنا باطل ہے کیونکہ قرآن کے صورت سجع پر آنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ بھی سجع ہی ہو۔ سجع میں معنی اس لفظ کے تابع ہوتے ہیں جو کہ سجع کو ادا کرتا ہے اور قرآن

میں اتفاقی طور پر جو سجع کے معنی آ گئے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کیونکہ قرآن میں لفظ معنی کے تابع واقع ہوا ہے۔

(۸) اس بات میں کہ ایک کلام فی نفسہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہو جو اس کلام کے معنی مقصود کو ادا کرتے ہیں اور اس بات کے اندر کہ معنی منظّم ہوں نہ کہ لفظ بڑا فرق ہے۔(۵۰)

(۹) علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ سجع وہ ہے جو بذاتہ مقصود ہوتا ہے پھر معنی کو اس کے تابع لایا جاتا ہے جبکہ فواصل معنی کے تابع ہوتے ہیں اور بذاتہ مقصود نہیں ہوتے۔(۵۱)

(۱۰) جس وقت معنی کا ارتباط سجع کے ساتھ ہوگا اس وقت سجع بھی وہی فائدہ دے گا جو غیر سجع سے حاصل ہوتا ہے لیکن جس حالت میں کہ خود معنی بغیر سجع کے درست اور موزوں ہوں گے، اس کے علاوہ سجع کا ایک محفوظ ڈھنگ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ اس میں کچھ خلل انداز ہونا کلام کو مختلف کر کے دائرہ فصاحت سے خارج کر دیتا ہے۔جس طرح کہ شاعر مقررہ وزن کی حد سے نکل جائے تو خطاوار ہو جاتا ہے۔لیکن قرآن کے فواصل میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ان میں سے چند فواصل ایسے ملیں گے جن کے مقاطع قریب قریب ہیں اور بعض فواصل ایسے ممتد ہو جاتے ہیں کہ ان کا طول پہلے فاصلہ سے دگنا ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے وزن میں فاصلہ کا ورود کلام کثیر کے بعد ہوتا ہے جو سجع میں ایک معیوب بات ہے۔(۵۲)

(۱۱) سجع کے درست ہونے اور مقاطع کے باہم مساوی پائے جانے کی وجہ سے ایک جگہ ﴿موسیٰ﴾ کو ﴿ہارون﴾ پر مقدم کر دیا گیا اور دوسری جگہ متاخر تو یہ بات صحیح نہیں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ قصہ کا اعادہ مختلف الفاظ میں کیا جائے اور وہ سب الفاظ ایک ہی معنی کو ادا کرتے ہوں، یہ بڑا سخت و دشوار کام ہے۔اسی میں فصاحت و بلاغت کا جوہر کھلتا ہے۔(۵۳)

(۱۲) جو حروف فواصل میں آئے ہیں۔ وہ ان نظائر کے مواقع سے متناسب ہیں جو کہ سجع میں واقع ہوتے ہیں اور ان کی مناسب اسی طرح کی ہے کہ نہ وہ فواصل کو اسجاع کی حد سے بالکل خارج بنا دیتے ہیں اور نہ یہ کرتے ہیں کہ فواصل کو سجع کے باب میں داخل کر دیں۔(۵۴)

(۱۳) اہل عرب ایسے ہی سجع کی بڑی مذمت کرتے ہیں جو اعتدال اجزاء کی حد سے خارج ہو جاتا ہے۔کہ اس کے بعض مصرعے دو کلموں کے ہوں اور بعض چار کلموں کے۔اہل عرب اس کو فصاحت سے خارج سمجھتے ہیں بلکہ وہ اس کو عجز قرار دیتے ہیں۔لہٰذا اگر وہ قران کو سجع پر مشتمل سمجھتے تو ضروری تھا کہ کہتے، ہم اس کا معارضہ ایسے معتدل سجع کے ساتھ کریں گے جو کہ فصاحت میں قرآن کے طریقہ سے بڑھا کر ہوا ہے۔(۵۵)

(۱۴) مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''بعض لوگ کلام کو خوشنما بنانے میں ''سجع'' وغیرہ کا تکلف کرتے ہیں چونکہ یہ بلا ضرورت ہے اس لیے قلب کو

اس سے ضرر ہوتا ہے ہے اور اسی کی تعلیم کے واسطے قرآن میں سجع کی رعایت نہیں کی گئی۔ بعض سورتوں میں دور تک فواصل مسجع چلے گئے ہیں مگر آگے چل کر سجع کو توڑ دیا گیا حالانکہ حق تعالیٰ قادر مطلق ہیں ان کو سجع میں کیا تکلف ہوتا اگر وہ چاہتے تو سارے قرآن کو سجع ہی پر نازل فرما دیتے مگر باوجود قدرت کے ایسا نہیں کیا تو اس میں ہم کو تنبیہ ہے، عدم تکلف بھی کہ دیکھو جب ہم باوجود قدرت کے سجع کی رعایت نہیں کرتے حالانکہ ہم کو اس میں تکلف بھی نہیں کرنا پڑتا تو تم کو سجع کی رعایت نہ کرنا چاہیے کیونکہ تم کو تکلف کرنا پڑے گا اور بے ضرورت چیز کے لیے تکلف کرنا تم کو مضر ہے۔" (۵۶)

(۱۴) عائشہ عبدالرحمٰن بنت شاطئ فرماتی ہیں کہ اشاعرہ قرآن کے بارے میں نفی سجع کے قائل ہیں اور ان کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ فواصل ہیں۔ (۵۷)

(۱۵) سجع میں محض تکلف ہوتا ہے اور تکلف بھی ایسا کہ جس میں مبالغہ آرائی پائی جاتی ہے یا یہ کہ اس میں کہانت کا استعمال ہوتا ہے جو جھوٹ، افتراء اور دھوکہ پر مبنی ہوتی ہے اور یہ ایسا عیب ہے جو کلام کے نظم وترتیب اور فواصل کے لوازم میں سے نہیں۔ (۵۸)

علامہ باقلانی فرماتے ہیں کہ لفظ سجع کا اطلاق قرآنی فواصل پر کرنے سے اس وجہ سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس کلمہ کا زیادہ تر اطلاق کہانت میں مستعمل اس سجع پر ہوتا ہے جو کہ دجل وفریب کا موقعہ ہے۔ (۵۹)

(۱۶) قائلین سجع کے اس قول کہ "متکلم کے لیے لازم نہیں کہ اس کا تمام تر کلام مسجع ہی ہو" کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شعر کا ایک مصرعہ دوسرے شعر کے مصرعہ کے مخالف ہو تو اس کو تخلیط اور خبط تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسجع کلام کا ایک مصرعہ دوسرے مصرعہ سے مخالف واقع ہو تو اس تفاوت کو بھی خبط شمار کیا جانا چاہیے۔ جبکہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ قرآن کی اصل غیر مذموم ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی طرز پر واقع ہو جس کا اضطراب اس کو مذموم کر دیتا ہو۔ (۶۰)

قائلین سجع اور جمہور کی نفی سجع کی آراء سے مقالہ نگار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ قرآنی آیات کے رؤس کے لیے سجع کی اصطلاح کا استعمال بالکلیہ ممنوع ہے۔ جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفاتِ باری تعالیٰ کے لیے ایک ایسی صفت کا لانا جو لوگوں کے کلام کے لیے مستعمل ہو جائز نہیں۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کے لیے کاہن لوگوں کے کلام ہونے کی نفی کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فلا اقسم بما تبصرونo و ما لاتبصرونo انه لقول رسول كريم o و ماهو بقول شاعرط قليلا ما تومنونo و لا بقول كاهن قليلا ماتذكرون o تنزيل من رب العلمين﴾ (۶۱)

سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے، یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والی سرکار

کا، اور نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو۔ اور نہیں ہے کہا کاہنوں کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔ یہ رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں بلکہ یہ قرآن اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام ہے۔ اگر لوگ پوری طرح دھیان کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کاہنوں کے کلام سے مقفیٰ اور مسجع جملے استعمال کیے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بھی کاہنوں کے مسجع کلام کی مذمت فرمائی اور ان لوگوں پر سخت نکتہ چینی فرمائی ہے جو اس سے تشبہ اختیار کرتے ہیں ایسے ہی ایک شخص سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسجع کسجع الکھان'' یا یہ فرمایا ''اسجاعة کسجاعة الجاھلية؟'' اسی طرح آپ ﷺ نے اس شخص پر ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو عاقلہ پر دیت کے وجوب کے باب میں اسلامی احکام سے روگردانی کر رہا تھا۔ معاملہ ایک عورت کا تھا جس نے ایک دوسری عورت پر زیادتی تھی کی جو حاملہ تھی اور نتیجہ کے طور پر اس نے ایک مردہ بچے کو جنم دیا۔ اس شخص نے کہا ''کیف نفدی من لا شرب و لا اکل، و لا صاح فاسھل، الیس دمہ قد بطل''۔ یعنی بھلا ہم اس کا فدیہ کیسے ادا کریں جس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، اور نہ رویا اور نہ آواز نکالی، پھر اس کا قصاص باطل نہیں ہو گیا؟

نیز یہ کہ اگر قرآن مجید عربوں کے اسلوب کے عین مطابق تھا تو پھر کیا چیز ان کی اس تحدی میں مانع ہوئی جو کہ قرآن نے کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿و ان کن تم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورة من مثلہ و ادعوا شھد اء کم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ۝ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس و الحجارة اعدت للکٰفرین﴾ (۶۲)

اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو، اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔

ان آیات میں اہل عرب جو اپنے آپ کو فصاحت و بلاغت کے شہسوار کہلواتے تھے نہ صرف ان کو بلکہ تا قیامت آنے والے انسانوں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تمہیں اس کے کلامِ الٰہی کے ہونے میں شبہ ہے اور تمہارا گمان ہے کہ یہ کسی بندے کا کلام ہے تو جس قدر تمہارے قابل، شاعر اور فصحاء و بلغاء موجود ہیں خدا تعالیٰ کے سوا سب سے مدد لے کر ایک ہی چھوٹی سی سورت بنا لاؤ۔ پھر آگے خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہی ارشاد فرما دیا کہ تم اس جیسی سورت لانا چاہو گے تو بھی نہ لا سکو گے۔ جب اہلِ عرب اس چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز آ گئے تو قرآن کا اعجاز ثابت ہو گیا۔ اگر کلامِ الٰہی مسجع ہوتا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اہلِ عرب جو ساحت و ب لاغت کے شہسوار تھے اس جیسا

کلام لانے سے عاجز آتے؟ ان کا عاجز آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام سجع اور قافیہ کی قیود سے پاک ہے۔
اگر قرآن کے لیے سجع کا استعمال جائز ہے تو پھر اس کے لیے قافیہ کی اصطلاح (جو کہ سب ائمہ کے نزدیک جائز نہیں) جائز کیوں نہیں؟ حالانکہ سجع کی اصل چڑیوں کا نغمہ ہے جو کلام کو ایک ہی اسلوب پر پے در پے لانے کا نام ہے اور یہ زیادہ تر کاہن لوگوں کی عادت مالوفہ تھی جبکہ کہانت نبوت کے منافی ہے اور اس کے بالکل برعکس شعر نبوت کے منافی نہیں۔ اگر قرآنی رؤس کے لیے قافیہ کی اصطلاح جائز نہیں تو پھر سجع کی ممانعت تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

اگر قائلین سجع کی اس دلیل کو مان بھی لیا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے کاہنوں کے سجع کی ممانعت کی ہے نہ کی سجع محمود کی تو پھر بھی اس کا ثبوت قرآن کے لیے ممکن نہیں کیونکہ اس کی (یعنی سجع کی) اجازت عام کلام کے لیے ہے نہ کہ قرآن کے لیے اس کے استعمال کی۔ اس لیے یہ تمام دلائل اس بات کے شواہد ہیں کہ فواصل کے علاوہ قرآنی رؤوس کے لیے اور کسی اصطلاح کا استعمال جائز نہیں۔

مندرجہ بالا اختلاف تو قرآنی آیات کے لیے فواصل کے علاوہ دیگر کسی اصطلاح کے استعمال کرنے سے متعلق تھا۔ جمہور علماء جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس کے قائل نہیں کہ قرآنی آیات کے لیے فواصل کے علاوہ اور کسی اصطلاح کو رؤوس آیات کے لیے استعمال کیا جائے۔ جہاں تک فواصل کی اصطلاح کو رؤوس آیات کے علاوہ نثر یا شعر کے اواخر کے لیے استعمال کرنے کا تعلق ہے اس سے متعلق علامہ باقلانی فرماتے ہیں:

''جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن کے ذریعے سے کلام میں استراحت کی جاتی ہے، وہ مختلف ہیں اگر یہ استراحت شعر میں ہو تو اس کو قافیہ اور اگر کلام کے مقطع میں ہو تو سجع اور آیاتِ قرآنیہ میں ہو تو اس کو فواصل کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح قرآن ہی کے ساتھ خاص ہے۔ دیگر تمام کلام اس اصطلاح میں اس کے شریک نہیں اور نہ ہی ان کے لیے یہ اصطلاح (یعنی فواصل) استعمال کرنا مناسب ہے۔'' (۶۳)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آیاتِ قرآنیہ کے لیے فواصل کے علاوہ کسی اور اصطلاح کا استعمال جائز نہیں اسی طرح فواصل کی اصطلاح کا قرآنی آیات کے علاوہ دیگر کسی کلام کے لیے استعمال بھی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اصطلاح قرآن مجید ہی کے لیے خاص ہے اور قرآن مجید صفات باری تعالیٰ میں سے ہے۔ جس طرح اس صفت کے لیے کسی انسانی کلام کی اصطلاح کا استعمال درست نہیں اسی طرح اس کلام کے لیے جو خاص اصطلاح مستعمل ہے اس کو کسی انسانی کلام کے لیے استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔ نیز یہ کہ قرآن کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کے کسی جزء کے واسطے مہمل اصل کا لفظ مستعار لیا جائے۔ اس ساری کاوش کا مقصد کلامِ الٰہی کو دیگر کلاموں سے مبرا کرنا ہے تاکہ قرآن مجید کو دوسرے تمام حادث کلاموں سے بالاتر رکھا جاسکے۔ قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے لہٰذا اس کا وصف ایسی صفت کے ساتھ ہرگز جائز نہیں ہوسکتا جس کے ساتھ اسے موصوف کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی صفت کے کسی وصف کو دیگر کسی کلام کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔

کتابیات

۱۔ البقرۃ ۲:۲۳۔۲۴

۲۔ عبدالکریم الخطیب، اعجاز القرآن فی دراسۃ کاشفۃ لخصائص البلاغۃ العربیۃ دارالمعرفۃ للطباعۃ و النشر، بیروت لبنان، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، ص: ۲۰۵

۳۔ الزبیدی، محمد مرتضیٰ، محبّ الدین، ابی فیض، السید، الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، تحقیق علی شیری، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت لبنان، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء: ۲۰/۹۳

۴۔ زرکشی، بدالدین، محمد بن عبداللہ، علامہ، البرہان فی علوم القرآن، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت لبنان، ۱۴۰۸ھ......۱۹۸۸ء: ۱/ ۵۸۔۵۹

۵۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق استاذ محمد شریف سُکر، استاذ مصطفیٰ، مکتب المعارف ریاض، ۱۴۱۶ھ......۱۹۹۶ء،: ۲/۲۷۰؛ سیوطی جلال الدین، ابی الفضل، معترک الاقران فی اعجاز القرآن، تحقیق احمد شمس الدین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء: ۱/ ۲۵۔

۶۔ ولی اللہ، شاہ محدث، دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مترجم مولانا حبیب اللہ صدیقی کاندھلویؒ: ۱۵۹۔۱۶۰

۷۔ ماخوذ از خطبات حکیم الامت: ۲۸/ ۲۶۶۔۲۶۷

۸۔ عبدالرحمٰن تاج، شیخ، علوم القرآن منتخب نگارشات (قرآن کریم میں سجع اور فواصل کا تناسب)، ترجمہ فیاض احمد فلاحی، ترتیب وتدوین محمد صدیقی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، (س۔ن): ۱۴۵۔

۹۔ یٰسٓ ۳۶:۶۹ ۱۰۔ الحاقۃ ۶۹:۳۸۔۴۱

۱۱۔ شبیر احمد عثمانی، مولانا تفسیر عثمانی، نفیس پبلشرز اردو بازار لاہور، (س۔ن): ۷۴۳

۱۲۔ الشعراء ۲۶:۲۲۴۔۲۲۶

۱۳۔ ابن منظور افریقی، جمال الدین محمد بن محمد مکرم، ابی الفضل، لسان العرب، دارصادر بیروت، (س۔ن): ۸/۱۵۰

۱۴۔ ماخوذ از تاج العروف من جواہر القاموس: ۱۱/۲۰۲

۱۵۔ جمھرۃ اللغۃ: ۲/۹۳

۱۶۔ شکری عباد، دکتور، محمد قدوری، دکتور، وغیرھما، البلاغة والنقد، المکتبة العربیة السعودیة، وزارة المعارف، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء:۱۰۱

۱۷۔ حسیب غالب، ادیب صیعمی، بیان العرب فی المعانی والبیان والبدیع، مکتبة المدرسة ودارالکتاب اللبنانی للطباعة والنشر، بیروت لبنان، (س۔ن):۲۵۱

۱۸۔ مفتاح العلوم:۵۴۲

۱۹۔ الباقلانی، محمد بن الطیب، ابی بکر، اعجاز القرآن، المطبعة السلفیة ومکتبتھا قاھرة، ۱۳۴۹ھ:۵۹

۲۰۔ بنت شاطئ، عائشہ عبدالرحمٰن، دکتورہ، الاعجاز البیانی للقرآن، دارالمعارف مصر(س۔ن):۲۴۲

۲۱۔ ابو ہلال عسکری، المختار من کتاب الصناعتین، الکتاب العربی، قاھرة، (س۔ن):۲۶۱

۲۲۔ علوم القرآن، منتخب نگارشات:۱۵۸

۲۳۔ مسلم بن حجاج، القشیری، صحیح مسلم، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی، داراحیاء العربی بیروت، (س۔ن)، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات، باب دیة الجنین:۳/۱۳۰۹

۲۴۔ ایضاً　۲۵۔ الاحزاب ۳۳:۶۴۔۶۵　۲۶۔ طہ ۲۰:۱۔۸

۲۷۔ قٓ ۵۰:۵۔۷　۲۸۔ المثل السائر:۲۷۳　۲۹۔ محولہ بالا

۳۰۔ خفاجی، ابن سنان، سر الفصاحة، مکتبة البھیة قاھرة، ۱۳۱۲ھ:۱۶۵

۳۱۔ ماخوذ از سر الفصاحة:۱۶۵۔۱۶۶؛ المثل السائر:۲۷۷

۳۲۔ علوم القرآن، منتخب نگارشات:۱۵۱　۳۳۔ المثل السائر:۲۷۵

۳۴۔ ایضاً:۲۷۶　۳۵۔ اعجاز القرآن، باقلانی:۵۹

۳۶۔ محولہ بالا　۳۷۔ الشعراء ۲۶:۴۸　۳۸۔ اعجاز القرآن، باقلانی:۵۹

۳۹۔ محولہ بالا　۴۰۔ ایضاً:۶۰　۴۱۔ الاتقان فی علوم القرآن:۲/۲۷۴

۴۲۔ علوم القرآن، منتخب نگارشات:۱۴۷　۴۳۔ ایضاً:۱۴۸

۴۴۔ محولہ بالا　۴۵۔ علوم القرآن، منتخب نگارشات:۱۴۹

۴۶۔ ایضاً:۱۵۷۔۱۵۸

۴۷۔ ابوالحسن حازم بن محمد القرطاجنی الانصاری قرطبی (م:۶۸۴ھ)

۴۸۔ البرہان فی علوم القرآن:۱/۶۰؛ الاتقان فی علوم القرآن:۲/۲۷۴

۴۹۔ الرمانی، علی بن عیسیٰ، ابی الحسن، النکت فی اعجاز القرآن (ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن)، تحقیق محمد خلف اللہ، دکتور محمد زغلول اسلام، دارالمعارف، مصر، ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۸ء: ۹۷۔۹۸

۵۰۔ البرہان فی علوم القرآن: ۱/۵۴؛ الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۲۷۰

۵۱۔ اعجاز القرآن: ۶۰

۵۲۔ البرہان فی علوم القرآن، باقلانی: ۶۱

۵۳۔ ماخوذ از اعجاز القرآن، باقلانی: ۶۱

۵۴۔ البرہان فی علوم القرآن ۱/ ۵۶؛ اعجاز القرآن: ۶۴

۵۵۔ اعجاز القرآن، باقلانی: ۶۷

۵۶۔ اعجاز القرآن، باقلانی: ۶۷

۵۷۔ خطبات حکیم الامت (جزا و سزا): ۱۴/ ۲۹

۵۸۔ اعجاز القرآن: ۲۳۶

۵۹۔ علوم القرآن، منتخب نگارشات: ۱۵۰

۶۰۔ اعجاز القرآن: ۶۲

۶۱۔ محولہ بالا

۶۲۔ الحاقۃ ۶۹: ۳۸۔۴۳

۶۳۔ البقرۃ ۲: ۲۳۔۲۴

۶۴۔ اعجاز القرآن: ۶۳۔۶۴